© rasailojaraid.com



# تفہیم القرآن

## النمل

### (۲)

(ایک اور موقع پر) سلیمان نے پرندوں کا جائزہ لیا[۲۷] اور کہا "کیا بات ہے کہ میں فلاں ہُدہُد کو نہیں دیکھ رہا ہوں، کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے؟ میں اسے سخت سزا دونگا، یا ذبح کر دونگا، ورنہ اسے میرے سامنے معقول وجہ پیش کرنی ہوگی"[۲۸] کچھ زیادہ دیر نہ گزری

---

[۲۷] یعنی اُن پرندوں کا جن کے متعلق اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ جن اور انس کی طرح ان کے لشکر بھی حضرت سلیمان کے عساکر میں شامل تھے۔ ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان سے خبر رسانی، شکار اور اسی طرح کے دوسرے کام لیتے ہوں۔

[۲۸] موجودہ زمانے کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہُدہُد سے مراد وہ پرندہ نہیں ہے جو عربی اور اُردو زبان میں اس نام سے معروف ہے بلکہ یہ ایک آدمی کا نام ہے جو حضرت سلیمان کی فوج میں ایک افسر تھا۔ اس دعوے کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ تاریخ میں کہیں ہُدہُد نام کا کوئی شخص ان حضرات کو سلیمان علیہ السلام کی حکومت کے افسروں کی فہرست میں مل گیا ہے، بلکہ یہ عمارت صرف اس استدلال پر کھڑی کی گئی ہے کہ جانوروں کے ناموں پر انسانوں کے نام رکھنے کا رواج تمام زبانوں کی طرح عربی زبان میں بھی پایا جاتا ہے اور عبرانی میں بھی تھا۔ نیز یہ کہ آگے اس ہُدہُد کا جو کام بیان کیا گیا ہے اور حضرت سلیمانؑ سے اس کی گفتگو کا جو ذکر ہے وہ ان کے نزدیک صرف ایک انسان ہی کر سکتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کے سیاق کلام کو آدمی دیکھے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن کی تفسیر نہیں بلکہ اس کی تحریف، اور اس سے بھی کچھ بڑھ کر اس کی تغلیط ہے۔ آخر قرآن کو انسان کی عقل و خرد سے کیا دشمنی ہے کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تھی کہ اس نے آکر کہا "میں نے وہ معلومات حاصل کی ہیں جو آپ کے علم میں نہیں۔ میں کہنا تو یہ چاہتا ہوں کہ حضرت سلیمان کے رسالے یا پلٹن یا محکمۂ خبر رسانی کا ایک آدمی غائب تھا جسے انہوں نے تلاش کیا اور اس نے حاضر ہو کر یہ خبر دی اور اسے حضرت موصوف نے اس خدمت پر بھیجا۔ لیکن اسے وہ مسلسل ایسی چیستاں کی زبان میں بیان کرے کہ پڑھنے والا اول سے لیکر آخر تک اسے پرندہ ہی سمجھنے پر مجبور رہو۔

دیکھیے، پہلے ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اللہ کے اس غیر معمولی فضل پر اظہارِ امتنان کیا کہ "ہمیں منطق الطیر کا علم دیا گیا ہے" اس فقرے میں اوّل تو طیر کا لفظ مطلق ہے جسے ہر عرب اور عربی داں پرندے ہی کے معنی میں لیگا، کیونکہ کوئی قرینہ اس کے استعارہ و مجاز ہونے پر دلالت نہیں کر رہا ہے۔ دوسرے، اگر طیر سے مراد پرند نہیں بلکہ انسانوں کا کوئی گروہ ہو تو اس کے لیے منطق (بولی) کے بجائے لسان (یعنی زبان)، کا لفظ زیادہ صحیح ہوتا۔ اور پھر یہ کوئی بڑا غیر معمولی فضل نہ تھا کہ کسی شخص کو اگر کسی دوسرے انسانی گروہ کی زبان آجائے تو وہ خاص طور پر اس کمال کا ذکر کرے۔ آج ہمارے درمیان ہزار ہا آدمی بہت سی غیر زبانوں کے بولنے اور سمجھنے والے موجود ہیں۔ یہ آخر کونسا بڑا کمال ہے؟

اس کے بعد فرمایا گیا کہ "سلیمان کے لیے جن اور انس اور طیر کے لشکر جمع کیے گئے تھے" اس فقرے میں اوّل تو جن اور انس اور طیر، تین معروف اسمائے جنس استعمال ہوئے ہیں جو تین مختلف اور معلوم اجناس کے لیے عربی زبان میں مستعمل ہیں۔ پھر انہیں مطلق استعمال کیا گیا ہے اور کوئی قرینہ ان میں سے کسی کے استعارہ و مجاز یا تشبیہ ہونے کا موجود نہیں ہے جس سے ایک آدمی لغت کے معروف معنوں کے سوا کسی اور معنی میں انہیں لے۔ پھر انس کا لفظ جن اور طیر کے کے درمیان آیا ہے جو یہ معنی لینے میں صریحًا مانع ہے کہ جن اور طیر دراصل انس ہی کی جنس کے دو گروہ تھے۔ یہ معنی مراد ہوتے تو الجن والطیر من الانس کہا جاتا نہ کہ من الجن والانس والطیر۔

اسی سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان طیر کا جائزہ لے رہے تھے اور ہُدہُد کو غائب دیکھ کر انہوں نے یہ بات فرمائی۔ اگر یہ طیر انسان تھے اور ہُدہُد بھی کسی آدمی کا نام ہی تھا تو کم از کم کوئی لفظ تو ایسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سبا کے متعلق یقینی اطلاع لے کر آیا ہوں[۲۹]۔ میں نے وہاں ایک عورت دیکھی جو اس قوم کی کہہ دیا جاتا کہ بیچارہ پڑھنے والا اس کو جانور نہ سمجھ بیٹھتا۔ گروہ کا نام پرندہ اور اس کے ایک فرد کا نام ہُدہُد، پھر بھی ہم سے توقع کی جاتی ہے کہ ہم آپ سے آپ اسے انسان سمجھ لیں گے۔

آگے چل کر حضرت سلیمان فرماتے ہیں کہ ہُدہُد یا تو اپنے غائب ہونے کی کوئی معقول وجہ بیان کرے ورنہ میں اسے سخت سزا دونگا یا ذبح کر دونگا۔ انسان کو قتل کیا جاتا ہے، پھانسی دی جاتی ہے، سزائے موت دی جاتی ہے، ذبح کون کرتا ہے؟ کوئی بڑا ہی سنگدل اور بے درد آدمی جوشِ انتقام میں اندھا ہو چکا ہو تو شاید کسی آدمی کو ذبح بھی کر دے، مگر کیا پیغمبر سے ہم یہ توقع کریں کہ وہ اپنی فوج کے ایک آدمی کو محض غیر حاضر ہونے کے جرم میں ذبح کر دینے کا اعلان کریگا، اور اللہ میاں سے یہ حسنِ ظن رکھیں کہ وہ ایسی سنگین بات کا ذکر کر کے اس پر مذمت کا ایک لفظ بھی نہ فرمائیں گے؟

کچھ دور آگے چل کر ابھی آپ دیکھیں گے کہ حضرت سلیمان اسی ہُدہُد کو ملکہ سبا کے نام خط دیکر بھیجتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسے ان کی طرف ڈال دے یا پھینک دے (اَلْقِه اِلَيْهِم)۔ ظاہر ہے کہ یہ ہدایت پرندے کو تو دی جا سکتی ہے لیکن کسی آدمی کو سفیر یا ایلچی یا قاصد بنا کر بھیجنے کی صورت میں یہ انتہائی غیر موزوں ہے۔ کسی کی عقل ہی خبط ہو گئی ہو تو وہ مان لیگا کہ ایک ملک کا بادشاہ دوسرے ملک کی ملکہ کے نام خط دیکر اپنے سفیر کو اس ہدایت کے ساتھ بھیج سکتا ہے کہ اسے لیجا کر اس کے آگے ڈال دے یا اس کی طرف پھینک دے۔ کیا تہذیب و شائستگی کے اس ابتدائی مرتبے سے بھی حضرت سلیمانؑ کو گرا ہوا فرض کر لیا جائے جس کا لحاظ ہم جیسے معمولی لوگ بھی اپنے کسی ہمسائے کے پاس اپنے ملازم کو بھیجتے ہوئے ملحوظ رکھتے ہیں؟ کیا کوئی شریف آدمی اپنے ملازم سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا یہ خط لے جا کر فلاں صاحب کے آگے پھینک آ؟

یہ تمام قرائن صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں ہُدہُد کا مفہوم وہی ہے جو ازروئے لغت اس لفظ کا مفہوم ہے، یعنی یہ کہ وہ انسان نہیں بلکہ ایک پرندہ تھا۔ اب اگر کوئی شخص یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ ایک ہُدہُد وہ باتیں کر سکتا ہے جو قرآن اس کی طرف منسوب کر رہا ہے تو اسے صاف صاف کہنا چاہیے کہ میں قرآن کی اس بات کو نہیں مانتا۔ اپنے عدمِ ایمان کو اس پردے میں چھپانا کہ قرآن کے صاف اور صریح الفاظ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حکمراں ہے۔ اس کو ہر طرح کا سرو سامان بخشا گیا ہے اور اس کا تخت بڑا عظیم الشان ہے۔

---

اپنے من مانے معنی بھرے جائیں، گھٹیا درجے کی منافقت ہے۔

۲۹ سبا جنوبی عرب کی مشہور تجارت پیشہ قوم تھی جس کا دار الحکومت مارب، موجودہ یمن کے دارالسلطنت صنعاء سے ۵۵ میل بجانب شمال مشرق واقع تھا۔ اس کا زمانہ عروج معین کی سلطنت کے زوال کے بعد تقریباً ۱۱۰۰ ق م سے شروع ہوا اور ایک ہزار سال تک یہ عرب میں اپنی عظمت کے ڈنکے بجاتی رہی۔ پھر ۱۱۵ ق م میں جنوبی عرب کی دوسری مشہور قوم حمیر نے اس کی جگہ لے لی۔ عرب میں یمن اور حضر موت، اور افریقہ میں حبش کے علاقے پر اس کا قبضہ تھا۔ مشرقی افریقہ، ہندوستان، مشرق بعید اور خود عرب کی جتنی تجارت مصر و شام اور یونان و روم کے ساتھ ہوتی تھی وہ زیادہ تر انہی سبائیوں کے ہاتھ میں تھی۔ اسی وجہ سے یہ قوم قدیم زمانہ میں اپنی دولت کے لیے نہایت مشہور تھی۔ بلکہ یونانی مؤرخین تو اسے دنیا کی سب سے زیادہ مالدار قوم کہتے ہیں۔ تجارت کے علاوہ ان کی خوشحالی کا بڑا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اپنے ملک میں جگہ جگہ بند باندھ کر ایک بہترین نظام آب پاشی قائم کر رکھا تھا جس سے ان کا پورا علاقہ جنت بنا ہوا تھا۔ اُن کے ملک کی اس غیر معمولی سرسبزی و شادابی کا ذکر یونانی مؤرخین نے بھی کیا ہے اور سورۂ سبا کے دوسرے رکوع میں قرآن مجید بھی اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ہُدہُد کا یہ بیان کہ "میں نے وہ معلومات حاصل کی ہیں جو آپ کے علم میں نہیں ہیں" یہ معنی نہیں رکھتا کہ حضرت سلیمانؑ سبا سے بالکل ناواقف تھے۔ ظاہر ہے کہ فلسطین و شام کے جس فرمانروا کی سلطنت بحر احمر کے شمالی کنارے (خلیج عقبہ) تک پہنچی ہوئی تھی وہ اسی بحرِ احمر کے جنوبی کنارے (یمن) کی ایک ایسی قوم سے ناواقف نہ ہو سکتا تھا جو بین الاقوامی تجارت کے ایک اہم حصے پر قابض تھی۔ علاوہ ازیں زبور سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ سے بھی پہلے اُن کے والد ماجد حضرت داؤدؑ سبا سے واقف تھے۔ اُن کی دُعا کے یہ الفاظ زبور میں ہمیں ملتے ہیں:

"اے خدا، بادشاہ (یعنی خود حضرت داؤدؑ) کو اپنے احکام اور شاہزادے (یعنی حضرت سلیمان) کو اپنی صداقت عطا فرما ...... ترسیس اور جزیروں کے بادشاہ نذریں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کے بجائے سورج کے آگے سجدہ[۳۰] کرتی ہے" — شیطان[۳۱] نے ان کے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیئے[۳۲] اور انہیں شاہراہ سے روک دیا، اس وجہ سے

گزرائیں گے۔ سبا اور شیبا (یعنی سبا کی یمنی اور حبشی شاخوں) کے بادشاہ ہدیے لائیں گے۔"

(۷۲ : ۱-۲ و ۱۰-۱۱)

اس لیے ہُدہُد کے قول کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سبا کے جو چشم دید حالات میں دیکھ کر آیا ہوں وہ ابھی تک آپ کو نہیں پہنچے ہیں۔

۳۰ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم اس زمانے میں آفتاب پرستی کے مذہب کی پیرو تھی۔ عرب کی قدیم روایات سے بھی اس کا یہی مذہب معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ابنِ اسحاق علمائے انساب کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ سبا کی قوم دراصل ایک مورثِ اعلیٰ کی طرف منسوب ہے جس کا نام عبدِ شمس اور لقب سبا تھا۔ بنی اسرائیل کی روایات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ ان میں بیان کیا گیا ہے کہ ہُدہُد جب حضرت سلیمان کا خط لیکر پہنچا تو ملکۂ سبا سورج دیوتا کی پرستش کے لیے جا رہی تھی، ہُدہُد نے راستے ہی میں وہ خط ملکہ کے سامنے پھینک دیا۔

۳۱ اندازِ کلام سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں سے آخر پیراگراف تک کی عبارت ہُدہُد کے کلام کا جُز نہیں ہے بلکہ "سورج کے آگے سجدہ کرتی ہے" پر اس کی بات ختم ہو گئی اور اس کے بعد اب یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر بطور اضافہ ہے۔ اس قیاس کو جو چیز تقویت دیتی ہے وہ یہ فقرہ ہے: وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ "اور وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو۔" ان الفاظ سے یہ گمان غالب ہوتا ہے کہ متکلم ہُدہُد اور مخاطب حضرت سلیمان اور ان کے اہل دربار نہیں ہیں، بلکہ متکلم اللہ تعالیٰ اور مخاطب مشرکین مکہ ہیں جن کو نصیحت کرنے ہی کے لیے یہ قصہ سنایا جا رہا ہے۔ مفسرین میں سے علامہ آلوسی، صاحب روح المعانی بھی اسی قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

۳۲ یعنی دنیا کی دولت کمانے اور اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ شاندار بنانے کے جس کام میں وہ منہمک ہیں، شیطان نے ان کو سمجھا دیا کہ بس یہی عقل و فکر کا ایک مصرف اور قوائے ذہنی و جسمانی کا ایک استعمال ہے۔ اس سے زیادہ کسی چیز پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی حاجت ہی نہیں کہ تم خواہ مخواہ اس فکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



وہ یہ سیدھا راستہ نہیں پاتے کہ اُس خدا کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے[۳۳] اور وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم لوگ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو[۳۴]۔ اللہ کہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، جو عرشِ عظیم کا مالک ہے[۳۵]۔

---

میں پڑ کر اس ظاہر حیاتِ دنیا کے پیچھے حقیقتِ واقعیہ کیا ہے اور تمہارے مذہب، اخلاق، تہذیب اور نظامِ حیات کی بنیادیں اُس حقیقت سے مطابقت رکھتی ہیں یا سراسر اس کے خلاف جا رہی ہیں۔ شیطان نے ان کو مطمئن کر دیا کہ جب تم دنیا میں دولت اور طاقت اور شان و شوکت کے لحاظ سے بڑھتے ہی چلے جا رہے ہو تو پھر تمہیں یہ سوچنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ ہمارے یہ عقائد اور فلسفے اور نظریے ٹھیک ہیں یا نہیں۔ ان کے ٹھیک ہونے کی تو یہی ایک دلیل کافی ہے کہ تم مزے سے دولت کما رہے ہو اور عیش اڑا رہے ہو۔

۳۳؎ یعنی جو ہر آن اُن چیزوں کو ظہور میں لا رہا ہے جو آسمانوں اور زمین میں مخفی تھیں۔ انسانوں اور حیوانات میں ہر وقت بے شمار نئے افراد وجود میں لا رہا ہے جو پیدائش سے پہلے نہ معلوم کہاں کہاں پوشیدہ تھے۔ زمین کے پیٹ سے ہر آن بے شمار نباتات نکال رہا ہے اور طرح طرح کے معدنیات خارج کر رہا ہے۔ عالمِ بالا کی فضاؤں سے وہ وہ چیزیں سامنے لا رہا ہے جن کے ظہور میں آنے سے پہلے انسان کا وہم و گمان بھی ان تک نہ پہنچ سکتا تھا۔

۳۴؎ یعنی اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے، اس کے لیے ظاہر اور مخفی سب یکساں ہیں، اس پر سب کچھ عیاں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ان دو صفات کو بطور نمونہ بیان کرنے سے مقصود دراصل یہ ذہن نشین کرنا ہے کہ اگر وہ لوگ شیطان کے دھوکے میں نہ آتے تو یہ سیدھا راستہ انہیں صاف نظر آ سکتا تھا کہ آفتاب نامی ایک دہکتا ہوا کرہ، جو بیچارہ خود اپنے وجود کا ہوش بھی نہیں رکھتا، کسی عبادت کا مستحق نہیں ہے، بلکہ صرف وہ ہستی اس کا استحقاق رکھتی ہے جو علیم و خبیر ہے اور جس کی قدرت ہر لحظہ نئے نئے کرشمے ظہور میں لا رہی ہے۔

۳۵؎ اس مقام پر سجدہ واجب ہے۔ یہ قرآن کے اُن مقامات میں سے ہے جہاں سجدۂ تلاوت واجب ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ یہاں سجدہ کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ایک مومن اپنے آپ کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سلیمان نے کہا "ابھی ہم دیکھے لیتے ہیں کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔ میرا یہ خط لے جا اور اسے ان لوگوں کی طرف ڈال دے، پھر الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں[۳۶]"

---

آفتاب پرستوں سے جدا کرے اور اپنے عمل سے اس بات کا اقرار و اظہار کرے کہ وہ آفتاب کو نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا مسجود و معبود مانتا ہے۔

۳۶؎ یہاں پہنچ کر ہُدہُد کا کردار ختم ہوتا ہے۔ عقلیت کے مدعی حضرات نے جس بنا پر اسے پرندہ ماننے سے انکار کیا ہے وہ یہ ہے کہ انہیں ایک پرندے کا اس قوتِ مشاہدہ، قوتِ تمیز اور قوتِ بیان سے بہرہ ور ہونا بعید از امکان معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ملک پر گزرے اور یہ جان لے کہ یہ قوم سبا کا ملک ہے، اس ملک کا نظامِ حکومت یہ ہے، اس کی فرمانروا فلاں عورت ہے، اس کا مذہب آفتاب پرستی ہے، اس کو خدائے واحد کا پرستار ہونا چاہیے تھا مگر یہ گمراہی میں مبتلا ہے، اور پھر یہ سارے مشاہدات وہ آکر اس وضاحت کے ساتھ حضرت سلیمان سے بیان کر دے۔ انہی وجوہ سے کھلے کھلے ملاحدہ قرآن پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ کلیلہ دمنہ کی سی باتیں کرتا ہے۔ اور قرآن کی عقلی تفسیریں کرنے والے اس کے الفاظ کو ان کے صریح معنی سے پھیر کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ حضرت ہُدہُد تو سرے سے کوئی پرندے تھے ہی نہیں۔ لیکن ان دونوں قسم کے حضرات کے پاس آخر وہ کیا سائنٹفک معلومات ہیں جن کی بنا پر وہ قطعیت کے ساتھ کہہ سکتے ہوں کہ حیوانات اور ان کی مختلف انواع اور پھر ان کے مختلف افراد کی قوتیں اور استعدادیں کیا ہیں اور کیا نہیں ہیں۔ جن چیزوں کو وہ معلومات سمجھتے ہیں وہ درحقیقت اس نہایت ناکافی مشاہدے سے اخذ کردہ نتائج ہیں جو محض سرسری طور پر حیوانات کی زندگی اور ان کے برتاؤ کا کیا گیا ہے۔ انسان کو آج تک کسی یقینی ذریعہ سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مختلف قسم کے حیوانات کیا جانتے ہیں، کیا کچھ دیکھتے اور سنتے ہیں، کیا محسوس کرتے ہیں، کیا سوچتے اور سمجھتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کا ذہن کس طرح کام کرتا ہے۔ پھر بھی جو تھوڑا بہت مشاہدہ مختلف انواع حیوانی کی زندگی کا کیا گیا ہے اس سے ان کی نہایت حیرت انگیز استعدادوں کا پتہ چلا ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ، جو ان حیوانات کا خالق ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ملکہ بولی[۳۵] "اے اہلِ دربار، میری طرف ایک بڑا اہم خط پھینکا گیا ہے۔ وہ سلیمان کی جانب سے ہے اور اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔ مضمون یہ ہے کہ "میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ[۳۶]"۔ ع سع

ہم کو یہ بتاتا ہے کہ اس نے اپنے ایک نبی کو جانوروں کی منطق سمجھنے اور ان سے کلام کرنے کی قابلیت عطا کی تھی، اور اس نبی کے پاس سدھائے جانے اور تربیت پانے سے ایک ہُدہُد اس قابل ہو گیا تھا کہ دوسرے ملکوں سے یہ کچھ مشاہدے کر کے آتا اور پیغمبر کو ان کی خبر دیتا تھا، تو بجائے اس کے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس بیان کی روشنی میں حیوانات کے متعلق اپنے آج تک کے تھوڑے سے علم اور تجربے سے قیاسات پر نظرِ ثانی کریں، یہ کیا عقلمندی ہے کہ ہم اپنے اس ناکافی علم کو معیار قرار دے کر اللہ تعالیٰ کے اس بیان کی تکذیب یا اس کی معنوی تحریف کرنے لگیں۔

۳۵ یعنی خط کی اہمیت کئی وجوہ سے ہے۔ ایک یہ کہ وہ عجیب غیر معمولی طریقے سے آیا ہے۔ بجائے اس کے کہ کوئی سفارت اسے لا کر دیتی، ایک پرندے نے اسے لا کر مجھ پر ٹپکا دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ فلسطین و شام کے عظیم فرمانروا سلیمانؑ کی جانب سے ہے۔ تیسرے یہ کہ اسے اللہ رحمان و رحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے، حالانکہ دنیا میں کہیں کسی سلطنت کے مراسلوں میں یہ طریقہ استعمال نہیں کیا جاتا۔ پھر سب دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف خدائے بزرگ و برتر کے نام پر خط لکھنا بھی ہماری دنیا میں ایک غیر معمولی بات ہے۔ ان سب باتوں کے ساتھ یہ امر اس کی اہمیت کو اور زیادہ بڑھا دیتا ہے کہ اس میں بالکل صاف صاف ہم کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ ہم سرکشی چھوڑ کر اطاعت اختیار کر لیں اور تابع فرمان بن کر یا مسلمان ہو کر سلیمانؑ کے آگے حاضر ہو جائیں۔

"مسلم" ہو کر حاضر ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ مطیع بن کر حاضر ہو جاؤ۔ دوسرے یہ کہ دینِ اسلام قبول کر کے حاضر ہو جاؤ۔ پہلا مفہوم حضرت سلیمانؑ کی شانِ فرمانروائی سے مطابقت رکھتا ہے اور دوسرا مفہوم ان کی شانِ پیغمبری سے۔ غالباً یہ جامع لفظ اسی لیے استعمال کیا گیا ہے کہ خط میں یہ دونوں مقاصد شامل تھے۔ اسلام کی طرف سے خود مختار قوموں اور حکومتوں کو ہمیشہ یہی دعوت دی گئی ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(خط سنا کر) ملکہ نے کہا "اے سردارانِ قوم، اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، میں کسی معاملہ کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کرتی ہوں[۳۸]" انہوں نے جواب دیا "ہم طاقت ور ہیں اور لڑنے والے لوگ ہیں۔ آگے فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ آپ کو کیا حکم دینا ہے۔" ملکہ نے کہا کہ "بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے تباہ کر ڈالتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں[۳۹]۔ یہی کچھ وہ کیا کرتے ہیں[۴۰]۔ میں ان

---

یا تو دینِ حق قبول کرو اور ہمارے ساتھ نظامِ اسلامی میں برابر کے حصہ دار بن جاؤ، یا پھر اپنی سیاسی خود مختاری سے دست بردار ہو کر اسلامی نظام کی ماتحتی قبول کرو اور سیدھے ہاتھ سے جزیہ دو۔

۳۸ اصل الفاظ ہیں حَتّٰی تَشْهَدُوْنِ، جب تک کہ تم حاضر نہ ہو، یا تم گواہ نہ ہو۔ یعنی اہم معاملات میں فیصلہ کرتے وقت تم لوگوں کی موجودگی میرے نزدیک ضروری ہے، اور یہ بھی کہ جو فیصلہ میں کروں اس کے صحیح ہونے کی تم شہادت دو۔ اس سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ قوم سبا میں بادشاہی نظام تو تھا مگر وہ استبدادی نظام نہ تھا، بلکہ فرمانروائے وقت معاملات کے فیصلے اعیانِ سلطنت کے مشورے سے کرتا تھا۔

۳۹ اس ایک فقرے میں امپیریلزم اور اس کے اثرات و نتائج پر مکمل تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ بادشاہوں کی ملک گیری اور فاتح قوموں کی دوسری قوموں پر دست درازی کبھی اصلاح اور خیر خواہی کے لیے نہیں ہوتی۔ اس کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ دوسری قوم کو خدا نے جو رزق دیا ہے اور جو وسائل و ذرائع عطا کیے ہیں ان سے وہ خود متمتع ہوں اور اس قوم کو اتنا بے بس کر دیں کہ وہ کبھی ان کے مقابلے میں سر اٹھا کر اپنا حصہ نہ مانگ سکے۔ اس غرض کے لیے وہ اس کی خوشحالی اور طاقت اور عزت کے تمام ذرائع ختم کر دیتے ہیں، اس کے جن لوگوں میں بھی اپنی خودی کا دم داعیہ ہوتا ہے انہیں کچل کر رکھ دیتے ہیں، اس کے افراد میں غلامی، خوشامد، ایک دوسرے کی کاٹ، ایک دوسرے کی جاسوسی، فاتح کی نقالی، اپنی تہذیب کی تحقیر، فاتح تہذیب کی تعظیم اور ایسے ہی دوسرے کمینہ اوصاف پیدا کر دیتے ہیں، اور انہیں بتدریج اس بات کا خوگر بنا دیتے ہیں کہ وہ اپنی کسی مقدس سے مقدس چیز کو بھی بیچ دینے میں تأمل نہ کریں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ میرے ایلچی کیا جواب لے کر پلٹتے ہیں"۔

جب وہ (ملکہ کا سفیر) سلیمان کے ہاں پہنچا تو اس نے کہا "کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو تمہیں دیا ہے[41]۔ تمہارا ہدیہ تمہی کو مبارک رہے۔ (اے سفیر) واپس جا اپنے بھیجنے والوں کی طرف۔ ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے[42] جن کا مقابلہ وہ نہ کر سکیں گے اور ہم انہیں ایسی ذلت کے ساتھ وہاں سے نکالیں گے کہ وہ خوار ہو کر رہ جائیں گے"۔

سلیمانؑ نے کہا "اے اہل دربار، تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لاتا ہے قبل

---

اجرت پر ہر ذلیل سے ذلیل خدمت انجام دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔

۴۰ اس فقرے میں دو برابر کے احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ملکہ سبا ہی کا قول ہو اور اس نے اپنے پچھلے قول پر بطور تاکید اس کا اضافہ کیا ہو۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہو جو ملکہ کے قول کی تائید کے لیے جملہ معترضہ کے طور پر ارشاد فرمایا گیا ہو۔

۴۱ اس جملے سے مقصود اظہار فخر و تکبر نہیں ہے۔ اصل مدعا یہ ہے کہ مجھے تمہارا مال مطلوب نہیں ہے بلکہ تمہارا ایمان مطلوب ہے، یا پھر کم سے کم جو چیز میں چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم ایک صالح نظام کے تابع ہو جاؤ۔ اگر تم ان دونوں باتوں میں سے کسی کے لیے راضی نہیں ہو تو میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ مال و دولت کی رشوت لے کر تمہیں اس شرک اور اس فاسد نظام زندگی کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دوں۔ مجھے میرے رب نے جو کچھ دے رکھا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے کہ میں تمہارے مال کا لالچ کروں۔

۴۲ پہلے فقرے اور اس فقرے کے درمیان ایک لطیف خلا ہے جو کلام پر غور کرنے سے خود بخود سمجھ میں آ جاتا ہے۔ یعنی پوری بات یوں ہے کہ: اے سفیر یہ ہدیہ واپس لے جا اپنے بھیجنے والوں کی طرف، انہیں یا تو ہماری پہلی بات ماننی پڑے گی کہ مسلم ہو کر ہمارے پاس حاضر ہو جائیں ورنہ ہم ان پر لشکر لے کر آئیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس سے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہوں؟[۵۱] جنوں میں سے ایک قوی ہیکل نے عرض کیا "میں اسے حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں۔[۵۲] میں اس کی طاقت

۵۱؎ بیچ میں یہ قصہ چھوڑ دیا گیا ہے کہ سفارت ملکہ کا ہدیہ واپس لیکر پہنچی اور جو کچھ اس نے دیکھا اور سنا تھا وہ عرض کر دیا۔ ملکہ نے اس سے حضرت سلیمان کے جو حالات سنے ان کی بنا پر اس نے یہی مناسب سمجھا کہ خود ان کی ملاقات کے لیے بیت المقدس جائے۔ چنانچہ وہ خدم و حشم اور شاہی ساز و سامان کے ساتھ سبا سے فلسطین کی طرف روانہ ہوئی اور اس نے دربار سلیمانی میں اطلاع بھیج دی کہ میں آپ کی دعوت خود آپ کی زبان سے سننے اور بالمشافہ گفتگو کرنے کے لیے حاضر ہو رہی ہوں۔ ان تفصیلات کو چھوڑ کر اب اس وقت کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے جب ملکہ بیت المقدس کے قریب پہنچ گئی تھی اور ایک دو ہی دن میں حاضر ہونے والی تھی۔

۵۲؎ یعنی وہی تخت جس کے متعلق ہدہد نے بتایا تھا کہ "اس کا تخت بڑا عظیم الشان ہے"۔ بعض مفسرین نے غضب کیا ہے کہ ملکہ کے آنے سے پہلے اس تخت کے منگانے کی وجہ یہ قرار دی ہے کہ حضرت سلیمان اس پر قبضہ کرنا چاہتے تھے، انہیں اندیشہ ہوا کہ اگر ملکہ مسلمان ہو گئی تو پھر اس کے مال پر اس کی مرضی کے بغیر قبضہ کر لینا حرام ہو جائے گا، اس لیے انہوں نے اس کے آنے سے پہلے تخت منگا لینے کی جلدی کی کیونکہ اس وقت ملکہ کا مال مباح تھا۔ استغفر اللہ! ایک نبی کی نیت کے متعلق یہ تصور بڑا ہی عجیب ہے۔ آخر یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تبلیغ کے ساتھ ساتھ ملکہ اور اس کے درباریوں کو ایک معجزہ بھی دکھانا چاہتے تھے تاکہ اسے معلوم ہو کہ اللہ رب العٰلمین اپنے انبیاء کو کیسی غیر معمولی قدرتیں عطا فرماتا ہے اور اسے یقین آجائے کہ حضرت سلیمان واقعی اللہ کے نبی ہیں۔ اس سے بھی کچھ زیادہ غضب بعض جدید مفسرین نے کیا ہے۔ وہ آیت کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ "تم میں سے کون ہے جو ملکہ کے لیے ایک تخت مجھے لا دے"، حالانکہ قرآن یاتینی بعرش لھا نہیں بلکہ بعرشہا کہہ رہا ہے جس کے معنی "اس کا تخت" ہیں نہ کہ "اس کے لیے ایک تخت"۔ یہ بات صرف اس لیے بنائی گئی ہے کہ قرآن کے اس بیان سے کسی طرح پیچھا چھڑایا جائے کہ حضرت سلیمان اس ملکہ ہی کا تخت یمن سے بیت المقدس اٹھوا منگانا چاہتے تھے اور وہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھتا ہوں اور امانت دار ہوں ۴۶۔ " جس شخص کے پاس کتاب کا ایک علم تھا وہ بولا " میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لائے دیتا ہوں ۴۷۔ " جونہی کہ سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا،

اس طرح کہ ملکہ کے پہنچنے سے پہلے پہلے وہ آجائے۔

۴۵ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جو جن تھے وہ آیا موجودہ زمانے کے بعض عقل پرست مفسرین کی تاویلوں کے مطابق بنی نوع انسان میں سے تھے یا عرفِ عام کے مطابق اسی پوشیدہ مخلوق میں سے جو جن کے نام سے معروف ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت سلیمان کے دربار کی نشست زیادہ سے زیادہ تین چار گھنٹے کی ہوگی۔ اور بیت المقدس سے سبا کے پایۂ تخت مارب کا فاصلہ پرندے کی اڑان کے لحاظ سے بھی کم از کم ڈیڑھ ہزار میل کا تھا۔ اتنے فاصلہ سے ایک ملکہ کا عظیم الشان تخت اتنی کم مدت میں اُٹھا لانا کسی انسان کا کام نہیں ہو سکتا تھا، خواہ وہ عمالقہ میں سے کتنا ہی موٹا تازہ آدمی کیوں نہ ہو۔ یہ کام تو آج کل کا جٹ طیارہ بھی انجام دینے پر قادر نہیں ہے۔ پھر مسئلہ اتنا ہی نہیں ہے کہ تخت کہیں جنگل میں رکھا ہو اور اسے اٹھا لایا جائے۔ مسئلہ یہ ہے کہ تخت ایک ملکہ کے محل میں تھا جس پر یقیناً پہرہ دار متعین ہونگے اور وہ ملکہ کی غیر موجودگی میں ضرور محفوظ جگہ رکھا گیا ہوگا۔ انسان جا کر اٹھا لانا چاہتا تو اس کے ساتھ ایک چھاپہ مار دستہ ہونا چاہیے تھا کہ لڑ بھڑ کر اسے پہرہ داروں سے چھین لائے۔ یہ سب کچھ آخر دربار برخاست ہونے سے پہلے کیسے ہو سکتا تھا۔ اس چیز کا تصور اگر کیا جا سکتا ہے تو ایک حقیقی جن ہی کے بارے میں کیا جا سکتا ہے۔

۴۶ یعنی آپ مجھ پر یہ بھروسا کر سکتے ہیں کہ میں اسے خود اُڑا نہ لے جاؤنگا، یا اس میں سے کوئی قیمتی چیز نہ چُرا لونگا۔

۴۷ اس شخص کے بارے میں قطعی طور پر یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کون تھا، اور اس کے پاس وہ کس خاص قسم کا علم تھا، اور اس کتاب سے کونسی کتاب مراد ہے جس کا علم اس کے پاس تھا۔ ان امور کی کوئی وضاحت نہ قرآن میں ہے نہ کسی حدیث صحیح میں۔ مفسرین میں سے بعض کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ کوئی انسان تھا۔ پھر اُس انسان کی شخصیت کے تعین میں بھی ان کے درمیان اختلاف ہے۔ کوئی آصف بن برخیاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



وہ پکار اٹھا^۵۵ یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کافر نعمت بن جاتا ہوں^۵۶۔ اور جو کوئی شکر کرتا ہے اس کا شکر اس کے اپنے ہی لیے مفید ہے، ورنہ کوئی

---

(ASAF B-BERCHIAH) کا نام لیتا ہے جو یہودی ربیوں کی روایات کے مطابق رئیس الرجال (PRINCE OF MEN) تھے، کوئی کہتا ہے کہ وہ حضرت خضر تھے، کوئی کسی اور کا نام لیتا ہے، اور امام رازی کو اصرار ہے کہ وہ خود حضرت سلیمانؑ تھے۔ لیکن ان میں سے کسی کا بھی کوئی قابلِ اعتماد ماخذ نہیں ہے اور امام رازی کی بات تو قرآن کے سیاق و سباق سے بھی مطابقت نہیں رکھتی۔ اسی طرح کتاب کے بارے میں بھی مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے اور کوئی کتاب شریعت مراد لیتا ہے۔ لیکن یہ سب محض قیاسات ہیں۔ اور ایسے ہی قیاسات اس علم کے بارے میں بھی بلا دلیل و ثبوت قائم کر لیے گئے ہیں جو کتاب سے اس شخص کو حاصل تھا۔ ہم صرف اتنی ہی بات جانتے اور مانتے ہیں جتنی قرآن میں فرمائی گئی ہے یا جو اس کے الفاظ سے مترشح ہوتی ہے۔ وہ شخص بہرحال جن کی نوع میں سے نہ تھا اور بعید نہیں کہ وہ کوئی انسان ہی ہو۔ اس کے پاس کوئی غیر معمولی علم تھا اور وہ اللہ کی کسی کتاب (الکتاب) سے ماخوذ تھا۔ جن اپنے وجود کی طاقت سے اس تخت کو چند گھنٹوں میں اٹھا لانے کا دعویٰ کر رہا تھا۔ یہ شخص علم کی طاقت سے اس کو ایک لحظہ میں اٹھا لایا۔

^۵۵ قرآن مجید کا اندازِ بیان اس معاملہ میں بالکل صاف ہے کہ اُس دیو ہیکل جن کے دعوے کی طرح اس شخص کا دعویٰ صرف دعویٰ ہی نہ رہا بلکہ فی الواقع جس وقت اس نے دعویٰ کیا اسی وقت ایک ہی لحظہ میں وہ تخت حضرت سلیمانؑ کے سامنے رکھا نظر آیا۔ ذرا ان الفاظ پر غور کیجیے:

"اس شخص نے کہا میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لے آتا ہوں۔ جونہی کہ سلیمان نے اسے اپنے پاس رکھا دیکھا"

جو شخص بھی واقعہ کے عجیب و غریب ہونے کا تصور ذہن سے نکال کر بجائے خود اس عبارت کو پڑھے گا وہ اس سے یہی مفہوم لے گا کہ اس شخص کے یہ کہتے ہی دوسرے لمحہ میں وہ واقعہ پیش آ گیا جس کا اس نے دعویٰ کیا تھا۔ اس سیدھی سی بات کو خواہ مخواہ تاویل کے خراد پر چڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے ۴۹"

پھر تخت کو دیکھتے ہی حضرت سلیمانؑ کا یہ کہنا کہ "یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کافرِ نعمت بن جاتا ہوں، اسی صورت میں برمحل ہو سکتا ہے جبکہ یہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہو۔ ورنہ یہ بات کہ ان کا ایک ہوشیار ملازم ملکہ کے لیے جلدی سے ایک تخت بنا لایا یا بنوا لایا اپنے اندر کوئی ایسی ندرت نہیں رکھتی کہ اس پر حضرت سلیمان بے اختیار ھٰذا من فضل ربی پکار اٹھیں اور ان کو یہ خطرہ لاحق ہو کہ اتنے جلدی مہمان عزیز کے لیے تخت تیار ہو جانے سے کہیں میں شاکرِ نعمت بننے کے بجائے کافرِ نعمت نہ بن جاؤں۔ آخر اتنی سی بات پر کسی مومن فرمانروا کو اتنا غرور اور کبرِ نفس لاحق ہو جانے کا کیا خطرہ ہو سکتا ہے، خصوصاً جبکہ وہ ایک معمولی مومن نہ ہو بلکہ اللہ کا نبی ہو۔

اب رہی یہ بات کہ ڈیڑھ ہزار میل سے ایک تختِ شاہی پلک جھپکتے کس طرح اٹھ کر آگیا، تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ زمان و مکان اور مادہ و حرکت کے جو تصورات ہم نے اپنے تجربات و مشاہدات کی بنا پر قائم کیے ہیں ان کے جملہ حدود صرف ہم ہی پر منطبق ہوتے ہیں۔ خدا کے لیے نہ یہ تصورات صحیح ہیں اور نہ وہ ان حدود سے محدود ہے۔ اس کی قدرت ایک معمولی تخت تو درکنار، سورج اور اس سے بھی زیادہ بڑے سیاروں کو آن کی آن میں لاکھوں میل کا فاصلہ طے کرا سکتی ہے۔ جس خدا کے صرف ایک حکم سے یہ عظیم کائنات وجود میں آگئی ہے اس کا ایک ادنیٰ اشارہ ہی ملکۂ سبا کے تخت کو روشنی کی رفتار سے چلا دینے کے لیے کافی تھا۔ آخر اسی قرآن میں یہ تذکرہ بھی تو موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک رات اپنے بندے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے بیت المقدس لے بھی گیا اور واپس بھی لے آیا۔

۴۹ یعنی وہ کسی کے شکر کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی خدائی میں کسی کی شکرگزاری سے نہ ذرہ برابر کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ کسی کی ناشکری و احسان فراموشی سے یک سرِ مو کوئی کمی آتی ہے۔ وہ آپ اپنے ہی بل بوتے پر خدائی کر رہا ہے بندوں کے ماننے یا نہ ماننے پر اس کی خدائی منحصر نہیں ہے۔ یہی بات قرآن مجید میں ایک جگہ حضرت موسیٰ کی زبان سے نقل کی گئی ہے کہ اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ "اگر تم اور ساری دنیا والے مل کر بھی کفر کریں تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے" (ابراہیم۔ رکوع ۲)۔ اور یہی مضمون اس حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


[۵۰] سلیمان نے کہا "انجان طریقے سے اس کا تخت اس کے سامنے رکھ دو، دیکھیں وہ صحیح بات تک پہنچتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو راہِ راست نہیں پاتے"[۵۱] ملکہ جب حاضر ہوئی تو اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ کہنے لگی "یہ تو گویا وہی ہے"[۵۲]۔ ہم تو پہلے ہی جان گئے تھے

قدسی کا ہے جو صحیح مسلم میں وارد ہوئی ہے کہ:

یقول اللہ تعالیٰ یا عبادی لو ان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی اتقیٰ قلب رجل منکم ما زاد ذالک فی ملکی شیئا۔ یا عبادی لو ان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی افجر قلب رجل منکم ما نقص ذالک فی ملکی شیئا۔ یا عبادی انما ھی اعمالکم احصیھا لکم ثم اوفیکما یاھا۔ فمن وجد خیرًا فلیحمد اللہ ومن وجد غیر ذالک فلا یلومن الا نفسہ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو، اگر اول سے آخر تک تم سب انس اور جن اپنے سب سے زیادہ متقی شخص کے دل جیسے ہو جاؤ تو اس سے میری بادشاہی میں کوئی اضافہ نہ ہو جائیگا۔ اے میرے بندو! اگر اول سے آخر تک تم سب انس اور جن اپنے سب سے زیادہ بدکار شخص کے دل جیسے ہو جاؤ تو میری بادشاہی میں اس سے کوئی کمی نہ ہو جائیگی۔ اے میرے بندو، یہ تمہارے اپنے اعمال ہی ہیں جن کا میں تمہارے حساب میں شمار کرتا ہوں، پھر ان کی پوری پوری جزا تمہیں دیتا ہوں۔ پس جسے کوئی بھلائی نصیب ہو اسے چاہیے کہ اللہ کا شکر ادا کرے۔ اور جسے کچھ اور نصیب ہو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

۵۰؎ بیچ میں یہ تفصیل چھوڑ دی گئی ہے کہ ملکہ کیسے بیت المقدس پہنچی اور کس طرح اس کا استقبال ہوا۔ اسے چھوڑ کر اب اس وقت کا حال بیان کیا جا رہا ہے جب وہ حضرت سلیمان کی ملاقات کے لیے ان کے محل میں پہنچی

۵۱؎ ذو معنی فقرہ ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ وہ یکایک اپنے ملک سے اتنی دور اپنا تخت موجود پا کر یہ سمجھ جاتی ہے یا نہیں کہ یہ اسی کا تخت اٹھا لایا گیا ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہے کہ وہ اس حیرت انگیز معجزے کو دیکھ کر ہدایت پاتی ہے یا اپنی گمراہی پر قائم رہتی ہے۔

اس سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان اس تخت پر قبضہ کرنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور ہم نے سرِ اطاعت جھکا دیا تھا۔ (یا ہم مسلم ہو چکے تھے) [۵۳] اُس کو (ایمان لانے سے) جس چیز نے روک رکھا تھا وہ اُن معبودوں کی عبادت تھی جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی کیونکہ وہ ایک کافر قوم سے تھی۔ [۵۴]

نیت رکھتے تھے۔ یہاں وہ خود اس مقصد کا اظہار فرما رہے ہیں کہ انہوں نے یہ کام ملکہ کی ہدایت کے لیے کیا تھا۔

۵۲ اس سے ان لوگوں کے خیالات کی بھی تردید ہو جاتی ہے جنہوں نے صورتِ واقعہ کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے کہ گویا حضرت سلیمان اپنی مہمان ملکہ کے لیے ایک تخت بنوانا چاہتے تھے، اس غرض کے لیے انہوں نے ٹینڈر طلب کیے، ایک ہٹے کٹے کاریگر نے کچھ زیادہ مدت میں تخت بنا دینے کی پیش کش کی، مگر ایک دوسرے ماہر اُستاد نے کہا میں ژٹ پھٹ بنائے دیتا ہوں۔ اس سارے نقشے کا تار و پود اس بات سے بکھر جاتا ہے کہ حضرت سلیمان نے خود ملکہ ہی کا تخت لانے کے لیے فرمایا تھا (اَیُّکُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِھَا)، اور اس کی آمد پر اپنے ملازموں کو اسی کا تخت انجان طریقے سے اس کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا تھا (نَکِّرُوْا لَھَا عَرْشَھَا)، پھر جب وہ آئی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے (اَھٰکَذَا عَرْشُکِ)، اور اس نے کہا گویا یہ وہی ہے (کَاَنَّہٗ ھُوَ)۔ اس صاف بیان کی موجودگی میں ان لاطائل تاویلات کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ اس پر بھی کسی کو شک رہے تو بعد کا فقرہ اسے مطمئن کرنے کے لیے کافی ہے۔

۵۳ یعنی یہ معجزہ دیکھنے سے پہلے ہی سلیمان علیہ السلام کے جو اوصاف اور حالات ہمیں معلوم ہو چکے تھے ان کی بنا پر ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، محض ایک سلطنت کے فرمانروا نہیں ہیں۔ تخت کو دیکھنے اور "گویا یہ وہی ہے" کہنے کے بعد اس فقرے کا اضافہ کرنے میں آخر کیا معنویت باقی رہ جاتی ہے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت سلیمان نے اس کے لیے ایک تخت بنوا کر رکھ دیا تھا؟ بالفرض اگر وہ تخت ملکہ کے تخت سے مشابہ ہی تیار کرا لیا گیا ہو تب بھی اس میں آخر وہ کیا کمال ہو سکتا تھا کہ ایک آفتاب پرست ملکہ اسے دیکھ کر یہ بول اٹھتی کہ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِھَا وَکُنَّا مُسْلِمِیْنَ، "ہم کو پہلے ہی علم نصیب ہو گیا تھا اور ہم مسلم ہو چکے تھے"۔

۵۴ یہ فقرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی پوزیشن واضح کرنے کے لیے ارشاد ہوا ہے یعنی اس میں ضد اور ہٹ دھرمی نہ تھی۔ وہ اس وقت تک صرف اس لیے کافر تھی کہ کافر قوم میں پیدا ہوئی تھی۔ ہوش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو۔ اس نے جو دیکھا تو سمجھی کہ پانی کا حوض ہے اور اُترنے کے لیے اس نے اپنے پائنچے اٹھا لیے۔ سلیمان نے کہا یہ شیشے کا چکنا فرش ہے[۵۵]۔ اس پر وہ پکار اٹھی "اے میرے رب میں اپنے نفس پر بڑا ظلم کرتی رہی اور اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العٰلمین کی اطاعت قبول کرتی ہوں"[۵۶]۔ ع ۳

سنبھلنے کے بعد سے اس کو جس چیز کے آگے سجدہ ریز ہونے کی عادت پڑی ہوئی تھی، بس وہی اس کے راستے میں ایک رکاوٹ بن گئی تھی۔ حضرت سلیمان سے سابقہ پیش آنے پر جب اس کی آنکھیں کھلیں تو اس رکاوٹ کے ہٹ جانے میں ذرا سی دیر بھی نہ لگی۔

۵۵ یہ آخری چیز تھی جس نے ملکہ کی آنکھیں کھول دیں۔ پہلی چیز حضرت سلیمان کا وہ خط تھا جو عام بادشاہوں کے طریقے سے ہٹ کر اللہ رحمان و رحیم کے نام سے شروع کیا گیا تھا۔ دوسری چیز اس کے بیش قیمت ہدیوں کو رد کرنا تھا جس سے ملکہ کو اندازہ ہوا کہ یہ بادشاہ کسی اور طرز کا ہے۔ تیسری چیز ملکہ کی سفارت کا بیان تھا جس سے اس کو حضرت سلیمان کی متقیانہ زندگی، ان کی حکمت اور ان کی دعوتِ حق کا علم ہوا۔ اسی چیز نے اسے آمادہ کیا کہ خود چل کر ان سے ملاقات کرے، اور اسی کی طرف اس نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا کہ "ہم تو پہلے ہی جان گئے تھے اور ہم مسلم ہو چکے تھے"۔ چوتھی چیز اس عظیم الشان تخت کا آناً فاناً مارب سے بیت المقدس پہنچ جانا تھا جس سے ملکہ کو معلوم ہوا کہ اس شخص کی پشت پر اللہ تعالیٰ کی طاقت ہے۔ اور اب آخری چیز یہ تھی کہ اس نے دیکھا جو شخص یہ سامانِ عیش و تنعم رکھتا ہے اور ایسے شاندار محل میں رہتا ہے وہ کس قدر غرورِ نفس سے پاک ہے، کتنا خدا ترس اور نیک نفس ہے، کس طرح بات بات پر اس کا سر خدا کے آگے شکر گزاری میں جھکا جاتا ہے، اور اس کی زندگی فریفتگانِ حیاتِ دنیا کی زندگی سے کتنی مختلف ہے۔ یہی چیز تھی جس نے اسے وہ کچھ پکار اٹھنے پر مجبور کر دیا جو آگے اس کی زبان سے نقل کی گئی ہے۔

۵۶ حضرت سلیمان اور ملکۂ سبا کا یہ قصہ بائیبل کے عہدِ عتیق و جدید اور روایاتِ یہود سب میں مختلف طریقوں سے آیا ہے، مگر قرآن کا بیان ان سب سے مختلف ہے۔ عہدِ عتیق میں اس قصے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کا خلاصہ یہ ہے :

"اور جب سبا کی ملکہ نے خداوند کے نام کی بابت سلیمان کی شہرت سنی تو وہ آئی تاکہ مشکل سوالوں سے اُسے آزمائے۔ اور وہ بہت بڑی جلو کے ساتھ یروشلم میں آئی . . . جب وہ سلیمان کے پاس پہنچی تو اس نے ان سب باتوں کے بارہ میں جو اس کے دل میں تھیں اس سے گفتگو کی۔ سلیمان نے ان سب کا جواب دیا . . . اور جب سبا کی ملکہ نے سلیمان کی ساری حکمت اور اس محل کو جو اس نے بنایا تھا اور اس کے دسترخوان کی نعمتوں اور اس کے ملازموں کی نشست اور اس کے خادموں کی حاضر باشی اور ان کی پوشاک اور اس کے ساقیوں اور اس سیڑھی کو جس سے وہ خداوند کے گھر کو جاتا تھا۔ دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے اور اس نے بادشاہ سے کہا کہ وہ سچی خبر تھی جو میں نے تیرے کاموں اور تیری حکمت کی بابت اپنے ملک میں سنی تھی۔ تو بھی میں نے وہ باتیں باور نہ کیں جب تک خود آکر اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیا۔ اور مجھے تو آدھا بھی نہیں بتایا گیا تھا کیونکہ تیری حکمت اور اقبال مندی اُس شہرت سے جو میں نے سُنی بہت زیادہ ہے۔ خوش نصیب ہیں تیرے لوگ اور خوش نصیب ہیں تیرے یہ ملازم جو برابر تیرے حضور کھڑے رہتے اور تیری حکمت سنتے ہیں۔ خداوند تیرا خدا مبارک ہو جو تجھ سے ایسا خوشنود ہوا کہ تجھے اسرائیل کے تخت پر بٹھایا . . . اور اس نے بادشاہ کو ایک سو بیس قنطار سونا اور مسالے کا بہت بڑا انبار اور بیش بہا جواہر دیئے اور جیسے مسالے سبا کی ملکہ نے سلیمان بادشاہ کو دیئے ویسے پھر کبھی ایسی بہتات کے ساتھ نہ آئے . . . اور سلیمان بادشاہ نے سبا کی ملکہ کو سب کچھ جس کی وہ مشتاق ہوئی اور جو کچھ اس نے مانگا دیا . . . پھر وہ اپنے ملازموں سمیت اپنی مملکت کو لوٹ گئی"۔ (۱۔ سلاطین ۱۰ : ۱-۱۳۔ اسی سے ملتا جلتا مضمون ۲۔ تواریخ ۹ : ۱-۱۲ میں بھی ہے)۔

عہدِ جدید میں حضرت عیسیٰ کی ایک تقریر کا صرف یہ فقرہ ملکہ سبا کے متعلق منقول ہوا ہے :

"دکھن کی ملکہ عدالت کے دن اس زمانہ کے لوگوں کے ساتھ اٹھ کر ان کو مجرم ٹھیرائے گی، کیونکہ وہ دنیا کے کنارے سے سلیمان کی حکمت سننے کو آئی، اور دیکھو یہاں وہ ہے جو سلیمان سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بھی بڑا ہے" (متی ۱۲: ۴۳ - لوقا ۱۱: ۳۱)

یہودی ربیوں کی روایات میں حضرت سلیمان اور ملکۂ سبا کا قصہ اپنی بیشتر تفصیلات میں قرآن سے ملتا جلتا ہے۔ ہُدہُد کا غائب ہونا، پھر آکر سبا اور اس کی ملکہ کے حالات بیان کرنا، حضرت سلیمان کا اس کے ذریعہ سے خط بھیجنا، ہُدہُد کا عین اس وقت وہ خط ملکہ کے آگے گرانا جبکہ وہ آفتاب کی پرستش کو جارہی تھی، ملکہ کا اس خط کو دیکھ کر اپنے وزراء کی کونسل منعقد کرنا، پھر ملکہ کا ایک قیمتی ہدیہ حضرت سلیمان کے پاس بھیجنا، خود یروشلم پہنچ کر ان سے ملنا، ان کے محل میں پہنچ کر یہ خیال کرنا کہ حضرت سلیمان پانی کے حوض میں بیٹھے ہیں، اور اس میں اترنے کے لیے پائینچے چڑھا لینا، یہ سب ان روایات میں اسی طرح مذکور ہے جس طرح قرآن میں بیان ہوا ہے۔ مگر ہدیہ وصول ہونے پر حضرت سلیمان کا جواب، ملکہ کے تخت کو اٹھوا منگانا، ہر موقع پر ان کا خدا کے آگے جھکنا، اور آخر کار ملکہ کا ان کے ہاتھ پر ایمان لانا، یہ سب باتیں، بلکہ خدا پرستی اور توحید کی ساری باتیں ہی ان روایات میں ناپید ہیں۔ سب سے بڑھ کر غضب یہ ہے کہ ان ظالموں نے حضرت سلیمان پر الزام لگایا ہے کہ انھوں نے ملکۂ سبا کے ساتھ معاذ اللہ زنا کا ارتکاب کیا اور اسی حرامی نسل سے بابل کا بادشاہ بخت نصر پیدا ہوا جس نے بیت المقدس کو تباہ کیا (جیوش انسائیکلوپیڈیا ج ۱۱ - صفحہ ۴۴۳)۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ یہودی علماء کا ایک گروہ حضرت سلیمانؑ کا سخت مخالف رہا ہے۔ ان لوگوں نے ان پر توراۃ کے احکام کی خلاف ورزی، غرورِ حکومت، غرورِ عقل ودانش، زن مریدی، عیش پرستی اور شرک وبت پرستی کے گھناؤنے الزامات لگائے ہیں (جیوش انسائیکلوپیڈیا ج ۱۱ ص ۴۳۹-۴۴۱)۔ اور یہ اسی پروپیگنڈے کا اثر ہے کہ بائیبل انہیں نبی کے بجائے محض ایک بادشاہ کی حیثیت سے پیش کرتی ہے اور بادشاہ بھی ایسا جو معاذ اللہ احکام الٰہی کے خلاف مشرک عورتوں کے عشق میں گم ہو گیا، جس کا دل خدا سے پھر گیا اور جو خدا کے سوا دوسرے معبودوں کی طرف مائل ہو گیا (۱ - سلاطین ۱۱: ۱-۱۱)۔ ان چیزوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن نے بنی اسرائیل پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے اکابر کا دامن خود اُن کی پھینکی ہوئی گندگیوں سے صاف کیا، اور یہ بنی اسرائیل کتنے احسان فراموش ہیں کہ اس پر بھی یہ قرآن اور اس کے لانے والے کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com